Al-Marjān Research Journal
Al-Marjān Research Center, Lahore, Pakistan
HJRS
Open Access
Al-Marjān Research Journal
ISSN(E): 3006-0370
ISSN(P): 3006-0362
al-marjan.com.pk

An Analytical Study of the Causes and Impacts of Negative Identity in Pakistani Society: An Islamic Perspective

پاکستانی معاشرے میں منفی شناخت کے محرکات اور اثرات: اسلامی تناظر میں تجزیاتی مطالعہ

Authors Details

1. Shabir Ahmed *(Corresponding Author)*
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, University of Peshawar, Peshawar, Pakistan.
Email: **shabirusmani54@gmail.com**

2. Dr. Muhammad Nawaz
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Peshawar, Peshawar, Pakistan.

Citation

Ahmed, Shabir, and Dr. Muhammad Nawaz. " An Analytical Study of the Causes and Impacts of Negative Identity in Pakistani Society: An Islamic Perspective."*Al-Marjān Research Journal* 3,no.2, April–June (2025): 482−498.

Submission Timeline

Received: Mar 07, 2025
Revised: Mar 20, 2025
Accepted: April 11, 2025
Published Online: May 02, 2025

Publication, Copyright & Licensing

Article QR

Al-Marjān Research Journal

Al-Marjān Research Center, Lahore, Pakistan.

All Rights Reserved © 2023.
This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

INDEX COPERNICUS INTERNATIONAL
ISSN INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE
HJRS HEC Journal Recognition System

An Analytical Study of the Causes and Impacts of Negative Identity in Pakistani Society: An Islamic Perspective

پاکستانی معاشرے میں منفی شناخت کے محرکات اور اثرات: اسلامی تناظر میں تجزیاتی مطالعہ

شبیر احمد☆ ڈاکٹر محمد نواز☆

Abstract

akistan, founded in the name of Islam, lies in one of the most populous regions of the world, with Muslims forming the majority. If this population is provided with the right ideological direction, it can play a revolutionary role in the development of the country. A strong and unified identity is the most basic requirement for this development. Islam acknowledges regional, linguistic, and cultural identities but only as secondary introductions—not as core values. It emphasizes the formation of Ummat e Wahida (a unified Muslim nation). However, when these identities lead to societal division and the creation of "negative identity," Islam strictly discourages it. Negative identity emerges when individuals or groups define themselves based on traits or beliefs that are considered socially or religiously unacceptable. Rooted in the psychological theory of Erik Erikson, this concept finds ground in contexts where individuals feel socially rejected. In the Pakistani context, negative identity manifests in sectarianism, regionalism, and linguistic prejudice, which weaken national unity and foster intolerance and extremism. This research explores the psychological and sociological origins of negative identity and how it evolves within the Pakistani society. It critically examines its various contributing factors, including religious disconnection, sectarian prejudice, and political misuse of identity markers. The paper suggests that a return to an Islamic worldview emphasizing unity, spiritual consciousness, and educational reform is essential to overcoming this crisis.

Keywords: Identity, Negative Identity, Sectarianism, Regionalism, Islamic Unity

تعارف موضوع

پاکستان کی بنیاد ایک اسلامی نظریے پر رکھی گئی تھی، تاکہ مسلمان اپنی دینی، فکری اور تہذیبی شناخت کے ساتھ ایک پرامن اور مثالی معاشرہ تشکیل دے سکیں۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ پاکستانی معاشرے میں مختلف شناختی بحران جنم لیتے چلے گئے۔ ان میں سب سے اہم اور خطرناک رجحان "منفی شناخت" کا ہے، جو معاشرتی، لسانی، مذہبی اور سیاسی بنیادوں پر افراد یا گروہوں کے درمیان تفریق اور تناؤ پیدا کرتا ہے۔ منفی شناخت کا مطلب ایسی پہچان ہے جو افراد کو دین، ثقافت اور قومی وحدت سے کاٹ کر گروہی، مسلکی یا قومیتی سطح پر محدود کر دیتی ہے۔ یہ رجحان نہ صرف معاشرے میں بدگمانی، انتہاپسندی اور نفرت کو فروغ دیتا ہے بلکہ اسلامی تعلیمات کی روح کے بھی منافی ہے۔ دین اسلام افراد کو امتِ واحدہ

☆ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پشاور، پشاور، پاکستان۔
☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پشاور، پشاور، پاکستان۔

کے تصور کے تحت جوڑنے کا حکم دیتا ہے۔ یہ تحقیق اسی منفی شناخت کے اسباب، اقسام اور اثرات کا تجزیہ پیش کرتی ہے، اور اس کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تلاش کرنے کی سعی کرتی ہے۔

مبحث اول: 1 منفی شناخت (Nagative Identity)

منفی شناخت(Nagative Identity) ایک نفسیاتی اور سماجی تصور اور خیال ہے جو اس وقت منظر عام پر آتا ہے جب کوئی فرد یا گروہ اپنی شناخت ایسی خصوصیات، رویوں یا نظریات کی بنیاد پر تشکیل دیتا ہے جو مذہبی، معاشرتی یا ثقافتی لحاظ سے منفی خیال کیا جاتا ہو یا غیر مقبول اور متنازع ہو۔ یہ تصور و نظریہ تحریری لحاظ سے سب سے پہلے ماہر نفسیات ایرک ایریکسن (Erik Erikson)[1] نے پیش کیا تھا جس کے مطابق "منفی شناخت اس وقت ابھرتی ہے جب کوئی شخص متوقع، روایتی یا مثبت شناخت کی بجائے ان شناختوں کو اختیار کر لیتا ہے جو معاشرتی طور پر ناقابل قبول ، باغیانہ یا غیر روایتی سمجھی جاتی ہیں۔"[2]

ایریکسن کے مطابق شناخت ایک قدرتی مرحلہ ہے، مگر جب شناخت سماج کے متعین کردہ مثبت معیار کے خلاف یا ان سے ہٹ کر ہو تو اسے منفی شناخت کہا جاتا ہے۔ دیگر محققین میں مارسیا (Marcia)[3] نے اس تصور کو مزید تفصیل اور وسعت دی ہے مارسیا کے مطابق ، منفی شناخت نوجوانوں کی شناختی ترقی کے چار مراحل میں سے ایک رد عمل ہو سکتی ہے جو اکثر کمزور خاندانی اور سماجی تعاون کے نتیجے میں تشکیل پاتی ہے۔[4]

کرگر اور کراکاور(Krueger & Krakower , 1995) نے اپنی تحقیق میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ منفی شناخت اکثر ان افراد میں زیادہ پائی جاتی ہے جو خود کو سماجی یا ثقافتی لحاظ سے رد شدہ یا غیر متعلق محسوس کرتے ہیں۔[5]

العرض منفی شناخت کا بڑھتا ہوا رجحان ایک عام اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے کہ کسی سماج، افراد یا ایک مخصوص طبقے کی بنیادی اصلی شناختی قابلیت یا علم کو متاثر کر کے ان کی اصلیت، بنیادیت اور انفرادیت کو دھندلا کرنا یا ختم کر دینا، اور اس اصل شناخت کے برعکس دوسرے شناختوں کو ترجیح دینا ہے۔

مبحث ثانی: دینِ اسلام اور شناخت

دین انسان کی بنیادی اور فطری شناخت اور ضرورت ہے، فطری شناخت باین معنیٰ کہ حدیث میں وارد ہے: آپ ﷺ نے فرمایا:

أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يُحَدِّثُ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُنْتَجُ البَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ[6]

---

[1] ایرک ایچ ایرکسن جرمن نژاد امریکن نفسیات کے ماہرین میں سے ہے اور نفسیاتی ترقیات(Developmental psychologist) کے ماہر تھے آٹھ مراحل کے انسانی نفسیاتی نشو نما کے نظریہ پیش کرنے پر مشہور ہوئے 1992 میں جرمنی میں پیدا ہوئے بعد میں امریکہ منتقل ہو گئے۔

Lovgren, Wendy, *A Life of Erik H. Erikson* (New York: W.W. Norton & Company, 1993), n.p.

[2] Erikson, Erik H., *Identity: Youth and Crisis* (New York: W.W. Norton & Company, 1968), 172.

[3] Marcia was born in a middle-class family on February 10, 1937, in Cleveland, Ohio, and spent his childhood in Columbus, Ohio. He grew up practicing tennis, drama, speech, and music. Marcia explored different subjects including history, English, and philosophy, and he graduated in 1959 with a bachelor's degree in psychology from Wittenberg University in Springfield, Ohio. He also received a master's and a doctoral degree in 1965 from Ohio State University in clinical psychology. Marcia began his professional career in 1965 as a professor and director of the psychology clinic at the University at Buffalo. Harmons, L. N. (n.d.). James Marcia - American Board of Assessment Psychology. https://www.assessmentpsychologyboard.org/edp/pdf/James_Marcia.pd

[4] Marcia, James E., *Development and Validation of Ego-Identity Status*, *Journal of Personality and Social Psychology* (Washington, DC: American Psychological Association, 1966), 3: 551–558.

[5] Krueger, Robert F., and Krakower, Steven, *Identity and Negative Identity in Adolescents*, *Psychoanalytic Review* (New York: Guilford Press, 1995), 82: 661

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں جس طرح تم دیکھتے ہو کہ جانور صحیح سالم بچہ جنتا ہے۔ کیا تم نے کوئی کان کٹا ہوا بچہ بھی دیکھا ہے؟"

پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو تلاوت کیا۔

﴿ ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾[7]

" یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالی کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی، یہی بالکل راست اور درست دین ہے۔"

جس فطرت پر اللہ تعالی نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے وہ فطرت اسلام ہے اور یہی انسان کی بنیادی اور اصلی شناخت ہے، اُس میں ہر گز ہر گز کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، اس کے علاوہ جو دوسرے عقائد و نظریات اور ادیان و مذاہب یا فرقوں پر مبنی شناختیں موجود ہیں وہ آدمی اپنے ماں باپ، اپنی کمیونٹی، اپنے ماحول اور اپنے اساتذہ سے متاثر ہو کر اپنا سکتا ہے، مگر پیدائشی طور پر فطرت کے ذریعے جو پہچان و شناخت اسے دیا جاتا ہے وہ عقیدہ اسلام ہے عقیدہ توحید ہے، ایک اللہ کی پہچان ہے۔ تو یہ جو ساڑھے چودہ سو سال پہلے اسلام نے جو حقیقت بیان کی ہے تو جہاں ایک طرف یہ فطری حقیقت ہے کہ دین انسان کی بنیادی اور فطری شناخت ہے، وہاں دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس حقیقت سے واقف نہیں ہے، آج کا بچہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود دین سے غافل ہے، ہمیں پتہ نہیں کہ ہم کون ہیں؟ ہماری شناخت کیا ہے ؟دین کیا ہے؟ ایمان کیا ہے؟، ہم بھول چکے ہیں ہمیں اس دنیا کس مقصد کے خاطر اُتارا گیا ہے؟ جس طرح قرآن میں ارشاد ہے:

﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾[8]

"لیکن اکثر لوگ یہ جانتے ہی نہیں ہیں۔"

اور بنیادی ضرورت بھی ہے، جیسا کہ اکل و شرب (کھانا پینا ہے) ضرورت ہے۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے علم کی ضرورت کو یوں بیان فرماتے ہیں:

«الناس الي العلم أحوج منهم الي الطعام والشراب لأن الرجل يحتاج الطعام فى اليوم مرة أو مرتين، وحاجته الي العلم بعدد أنفاسه۔[9]

"لوگوں کو کھانے اور پینے سے زیادہ علم دین کی ضرورت ہے، کیونکہ آدمی کو دن میں ایک یا دو بار کھانے پینے کی ضرورت پڑتی ہے، اور علم دین کی ضرورت اتنی ہے جتنی (زندگی) کے لیے سانسوں کی ضرورت ہے"۔

بلکہ حقیقت میں دینی تعلیم کی ضرورت اکل و شرب سے بھی بڑھ کر، اور وہ یوں کہ سب جانتے ہیں کہ کھانا پینا زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے اور کھانا پینا اگر میسر نہ آئے تو زیادہ سے زیادہ کیا ہوتا ہے؟ انسان مر جاتا ہے اور مرنا تو ہر انسان کو ہر حال میں ہے ہی، انسان مر گیا تو بات ختم، کھانے

---

[6] Al-Bukhārī, Abū ‘Abd Allāh Muḥammad ibn Ismā‘īl, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Kitāb al-Janā’iz, Bāb Idhā Aslama as-Ṣabī fa-Māta (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.), ḥadīth 1358.

[7] Ar-Rūm, 30:30

[8] As-Saba’, 34:28.

[9] Ibn al-Qayyim al-Jawziyya, Shams al-Dīn Muḥammad, *Madārij as-Sālikīn* (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.), 440.

پینے کی ضرورت بھی ختم۔ لیکن دین ایک ایسی ضرورت ہے، کہ انسان کے فوت ہو جانے پر اس کی اہمیت ختم نہیں ہوتی، زندگی میں دین سے دور اور محروم رہنے کا معاملہ رفع دفع نہیں ہوتا، کالعدم نہیں ہو جاتا، بلکہ دین سے تعلق یا عدم تعلق کی بنیاد پر نتائج کا سامنا کرنے کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ تو دین چونکہ انسان کی دنیا اور آخرت کے لیے ایک بنیادی ضرورت ہے، اس لیے اللہ تعالی نے انسان کو اس کی مکمل رہنمائی دی ہے، اس کی ضروریات کی پہچان، ان کا شوق اور جستجو، ان کے حصول کی استعداد انسان کی فطرت میں ودیعت کر دی ہے، اور ان کے حصول کی کوششوں کے لیے اسے عقل اور فہم عطا فرمائی۔ انسان کی سب سے اہم ضرورت دین ہے اور اس دین ہی کی وجہ سے انسان کے لئے اپنی پہچان اور اپنی شناخت ممکن ہوا ہے لھٰذا اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں انسان کو اپنی شناخت معلوم کرنے، اس کی ہدایت، رہنمائی کے لیے دستاویزات، جبکہ عملی کردار کے لئے انبیائے کرام بھیجے اور یہی سلسلہ زمانہ اول سے شروع ہوا تھا اور خاتم النبیین ﷺ پر ختم ہوا اب ہماری لئے اس حوالے سے رہنمائی قرآن کریم اور اسوۃ حسنہ میں موجود ہے۔ لیکن آج ہمارا معاشرہ اپنی الٰہی تفویض کردہ شناخت سے لاعلم ہے اور نوجوان کفر اور الحاد کی یا پھر دین اسلام کے اندر ذیلی، منفی شناختوں میں بھٹکا ہوا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت دین سے بے خبر اور دور ہے، انسان کی اصل اور بنیادی شناخت دین اسلام ہے اور یہ تعلیمات الٰہی کے علم سے ہی اس کا ادراک ممکن ہے اس حوالے سے احادیث مبارکہ میں واضح ارشادات موجود ہیں کہ دینِ اسلام انسان کی بنیادی شناخت اور ضرورت ہے، اُس کی دنیوی زندگی کے لیے بھی اور اخروی زندگی کے لیے بھی، اس سے ہرگز انکار کیا جاسکتا ہے نہ اعراض، کیونکہ اس کی ضرورت، اس کی پہچان، اس کی طرف میلان انسان کی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے۔

مبحث ثالث: منفی شناخت کے اسباب اور عوامل

اپنے فطری اور اسلامی شناخت سے ہٹ کر منفی شناخت ان رویوں اور خیالات کا نتیجہ ہے جو افراد یا گروہ کی شخصیت اور کردار کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ شناخت سماجی، نفسیاتی، ثقافتی، دینی اور سیاسی عوامل کے پیچیدہ امتزاج سے پیدا ہوتی ہے۔ ان اسباب کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے انہیں مختلف زاویوں سے جانچنا ضروری ہے۔ منفی شناختوں کے رجحان کے اسباب و عوامل بہت ہیں تاہم یہاں پر چند اہم اسباب و عوامل کی نشاندہی کی جاتی ہیں:

1۔ تعلیماتِ الٰہی سے دوری

اس وقت پاکستان کا بالخصوص اور امت کا بالعموم سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ الٰہی تعلیمات سے ناواقف اور دوری اختیار کیے ہوئے ہیں۔ عموماً قرآن مجید کو ایک معمول کی رسمی اور مذہبی کتاب سمجھتا ہے۔ اس کتاب کے متعلق ان کا تصور یہ ہے کہ اس کے ساتھ اگر تعلق قائم بھی کر لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ تلاوت ہی تک محدود رہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب زمانہ حال کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی اہلیت اور صلاحیت نہیں رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کتاب انقلاب ہے۔ یہ عصر حاضر کے چیلنجوں کا نہ صرف مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہے بلکہ تمام مسائل کا حل بھی فراہم کرتی ہے۔ قرآن جہاں انسان کو آفاق کی سیر کراتا ہے وہیں یہ ہمیں نفس کی ماہیئت و حقیقت سے بھی روشناس کراتا ہے۔ جہاں عبادت کے بارے میں رہنمائی کرتا ہے وہیں سیاسی معاملات کے لیے بھی رہنما اصول بیان کرتا ہے۔ جہاں اخلاقی تعلیمات کے بارے میں ہدایات دیتا ہے وہیں یہ اقتصادی نظام کے لیے بھی ٹھوس بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ یہ جہاں حلال و حرام کے درمیان تمیز سکھاتا ہے وہیں یہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت بھی پیدا کرتا ہے۔ نوجوان اس کتاب انقلاب کے بغیر حقیقی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔

یہ بات واضح ہے کہ نزولِ قرآن کا اہم مقصد اتباعِ تعلیمات الٰہی ہے اور اتباع کیلئے تدبّرِ قرآن ضروری ہے جبکہ تدبر قرآن کی پہلی سیڑھی قرآن مجید کے الفاظ اور معانی کی تفہیم ہے اور اس کے بعد درجہ تدبر اور اتباع تعلیمات الٰہی ہے۔ کچھ لوگ عربی زبان کی اہلیت کو تدبرِ قرآن کیلئے ابتدائی

شرط قرار دیتے ہیں مگر اکثر عرب اقوام کا موجودہ حال اس بات کا ثبوت ہے کہ اہل زبان ہونا الگ بات ہے اور قرآن کریم پر غور و فکر کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا الگ بات ہے۔ بالفاظِ دیگر زبان دانی کی اہمیت اپنی جگہ مگر شوق اور عزم نہ ہونے کی وجہ سے اکثر عربی جاننے والے بھی تدبّرِ قرآن کے مرحلے سے دور ہیں۔ صرف عربی زبان جاننا کافی نہیں بلکہ شوق اور عزم کے ساتھ تدبر اور پھر اتباع بھی ہونا چاہئے۔ جیسا کہ رسول ﷺ کا فرمان ہے:

عن سهل بن سعد الساعدي، قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما ونحن نقترئ، فقال:" الحمد لله، كتاب الله واحد، وفيكم الاحمر وفيكم الابيض وفيكم الاسود، اقرءوه قبل ان يقراه اقوام يقيمونه كما يقوم السهم يتعجل اجره ولا يتاجله[10] ."

"سہل بن سعد الساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک دن قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ الحمد للہ، اللہ کی کتاب ایک ہی ہے اور تم میں سرخ، سفید اور سیاہ قسم کے لوگ اسے پڑھنے والے ہیں، قرآن پڑھا کرو بعد میں ایسے لوگ اسے پڑھیں گے جو اس کے حروف کو تیر کی طرح سیدھا کرتے ہوئے پڑھیں گے (صرف مخارج پر زور دیں گے) اور اپنا اجر دنیا ہی میں طلب کریں گے آخرت کیلئے نہیں۔"

دینی تعلیمات سے دوری اور غفلت کے باوجود دنیا میں مگن ہو کر اگر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ کامیاب ہو گیا ہے اور اسے دین کی ضرورت نہیں ہے اور یہ کہ اس سے کوئی نقصان نہیں ہوا نہایت ہی نادان ہے۔ تاہم چونکہ یہ دنیا بھی دارالاسباب ہے اس لئے عصری علوم و فنون میں مہارت سے بھی اسلام منع تو نہیں کرتا دنیا اور اس کے تقاضوں کو بھی مد نظر رکھنا، اور اپنی دشمن کے لئے ہر میدان میں تیاری کرنا اسلامی تعلیمات میں ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دینی تعلیمات سے بے خبری ہمارے لئے مہلک کن ہے۔ اور دینی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے ہم منفی شناختوں کو اختیار کر کے دونوں جہاں کے فوز و فلاح سے محروم ہیں۔

دین سے دوری کی وجہ سے ہم اپنی شناخت، تہذیب و ثقافت کو بھی بھول گئے ہیں، اس لئے اخلاقی، اسلامی، تعلیمی، معاشی اور سیاسی زوال کا شکار ہو گئے ہیں، آپ خود اپنے ارد گرد کا جائزہ لیں آج ہمارا نوجوان مختلف مذہبی، سیاسی اور سماجی شناختوں میں تقسیم ہے جس کی وجہ سے مذہبی، اخلاقی اور سماجی برائیاں عام ہیں اور اسی وجہ سے مسلمان آج کل اس بے وقعتی کی صورتِ حال سے گذر رہے ہیں جہاں ہم یہود و نصاریٰ اور دیگر کفارِ عالم کی زبان اور ہاتھ سے ہم غیر محفوظ ہیں۔ ہم نے اپنی بنیادی شناخت اور اس کے تقاضوں کو پس پشت ڈال رکھے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم سچے مسلمان ہی نہیں کیونکہ ہم شافعی، مالکی، حنبلی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنی کہلانے میں نہ صرف مطمئن ہیں بلکہ فخر محسوس کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست نسبت یعنی محمدی کہلانے سے کتراتے ہیں۔ یہی وجہ کہ جب کسی جگہ کوئی مسلمان تکلیف میں ہوتا ہے تو پہلے دوسرے مسلمان یہ دیکھتے ہیں وہ ہمارا ہم مسلک ہے یا نہیں، پھر اگر مفادات کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو وہ صرف تماشائی کا کردار ادا کرتے ہیں۔ آج کے مسلمان عملاً مسلمان ہونے کے علاوہ سب کچھ ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صرف اتباعِ وحی اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کر کے کامیاب ہوئے جبکہ آج ہم ناکام ہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ہم اتباعِ وحی اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے مرحلے تک آتے ہی نہیں ہیں۔ ہم اگر دیکھ لیں کہ ہمارے ہر مذہبی عمل کا حوالہ اور بنیاد کیا ہے؟ صاف بات یہ ہے کہ ہماری ساری کوششیں اپنے مذہبی راہنماؤں کی پیروی، آباء و اجداد کی نقالی، اپنے سیاسی لیڈروں کی تابعداری، اپنے فرقہ اور مسلک کی بے جا تائید اور غیر مستند کتب سے رہنمائی تک محدود رہتی ہیں اور

[10] Abū Dāwūd, Sulaymān ibn al-Ash'ath, *Sunan Abū Dāwūd*, Bāb Mā Yujzi' al-Ummī wa al-A'jamī min al-Qirā'a (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyya, n.d.), ḥadīth 831

زندگی بھر وہی کرتے ہیں جو آباء واجداد اور فرقے کے نظام کے مطابق ہوتا ہے۔ اب تو اکثر لوگوں کی دین بے نام بزرگوں کے اقوال اور حکایتوں تک محدود ہوتی جارہی ہے ان بزرگوں سے منسوب مافوق الفطرت باتیں بڑے شوق سے سنی اور سنائی جاتی ہیں اور اس کے برعکس قرآن وحدیث کا لفظ سنتے ہی چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے اور منہ کا مزہ کڑوا ہو جاتا ہے، یعنی من حیث المسلم ہمارا نوجوان اپنی مذہب اور دین کے آفاقی اور الہامی تعلیمات سے صرف نظر کئے ہوئے بیٹھا ہے۔

2۔ فرقہ واریت

فرقہ پرستی ایک منفی عمل ہے جو کہ منفی شناخت کے لئے ایک بنیادی اساس رکھتا ہے۔ ہم اس لفظ کی ترکیب عام طور پر کسی شخص یا جماعت کے اپنے مسلک سے جڑے غلط رویے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص یا گروہ اپنے علاوہ دوسرے افراد یا گروہوں کو صحت مند مکالمے کے بجائے اپنی عناد وعداوت کا ہدف بناتا ہے۔ وہ دوسروں کی بیخ کنی کو اپنا حق سمجھتا اور اس کے لیے ہر طرح کے حربے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔ جھوٹ بولنا، تنابز و بالالقاب، سوء ظن کرنا، تہمتیں لگانا، غیبت کرنا، چغلی کرنا، اس کی جان، مال اور آبرو کو خطرے میں ڈالنے کے حالات پیدا کرنا، یہاں تک کہ اس طرح کے اقدامات کرنا، سب کبائر وہ اپنے لیے جائز بنالیتا ہے۔

فرقہ پرستی کرنے والا شخص بظاہر حق پرستی کا مدعی ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک فروغ حق کا مقصد اسی رویے سے حاصل ہو سکتا ہے جو اس نے اختیار کیا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ نتیجہ خیز دعوتی سرگرمیوں کی راہیں مسدود کرتا ہے۔ پیغمبروں کے بعد کسی شخص کو یہ مقام حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو معیار حق کی حیثیت سے پیش کرے، لیکن فرقہ پرست زبان حال سے کہہ رہا ہوتا ہے کہ جو کچھ اس کی زبان سے صادر ہوتا ہے، وہی صوت حق ہے اور جو کچھ اس کے نوک قلم پر آتا ہے وہی تحریر حق ہے۔

اسلام نے مسلمانوں میں فرقہ بندی اور ان کے باہمی انتشار وافتراق کی ہر سطح پر مذمت کی ہے۔ حسب ونسب، رنگ ونسل، زبان ولسان، علاقائی و صوبائی اور قومی، ہر قسم کی فرقہ بندی کو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ اور زہر ہلاہل تصور کیا ہے۔ فرقہ پرستی کے نتیجے میں جو نفرت و حقارت اور عصبیت وعداوت پیدا ہوتی ہے اسلام نے سختی سے اس لیے مذمت کی ہے تاکہ ملت اسلامیہ کو ان خطرناک رجحانات سے، جنہوں نے اس کی جمعیت اور ملی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے، محفوظ کیا جائے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> "سستی جذباتیت اور فرقہ وارانہ تشدد نے نہ انصافی اور ظلم کا جواز تلاش کر لیا ہے۔ تشدد کا یہ عالم ہے کہ ایک فرقہ دوسرے فرقے کو نقصان پہنچا کر ضمیر کی خلش میں مبتلا نہیں ہوتا۔ یہاں انسانی اور اسلامی دونوں گر کر اسفل ترین جذباتی سطح پر آگئی ہیں۔"[11]

جب تک مسلمان باہمی تفرقات، فرقہ بازیوں اور گروہ بندیوں کو ترک نہیں کرتے ان میں یک رنگی، ہم آہنگی اور وحدت فکر و عمل پیدا نہیں ہو سکتی جو اسلام کا اولین مقصد ہے۔ اختلاف اور فرقہ بندیاں قرآن حکیم پر ایمان محکم اور اس کو اپنے جملہ معاملات کے تصفیے کے لیے آخری حکم اور خلوص نیت سے حجت تسلیم کرنے سے ہی دور ہو سکتے ہیں۔ تفرقہ بازی اور انتشار و افتراق کتاب اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے احکام و تصورات کی اطاعت اور پیروی کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ فرقہ بازی اللہ تعالی کے نزدیک شرک ہے جو ظلم عظیم اور ناقابل معافی گناہ ہے۔ ارشاد باری تعالی ہیں:

> **"منیبین الیه و اتقوه و اقیموالصلوٰة ولا تکونو من المشرکین من الذین فرقوا دینهم وکانوا شیعا کل حزب بنا لدیه فرحون "[12]**

[11] Jālibī, Jamīl, *Pākistānī Kalchar* (Rawalpindi: Maḥmūd Brothers Printer, 2008), 93.

"مومنو! اسی اللہ کی طرف رجوع کیے رہو اور اس سے ڈرتے رہو اور نماز قائم کرتے رہو اور مشرکوں میں نہ ہونا۔ اور ان لوگوں میں ہونا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی فرقے فرقے ہو گئے ہر فرقہ اسی میں مگن اور خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالی ہے:

ان الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا لست منهم في شيئ انما امرهم الى الله ثم ينبئهم بما كانوا يفعلون [13]

"جن لوگوں نے اپنے دین کے حصے بخرے کر لیے اور خود بھی کئی کئی فرقے ہو گئے ان سے تم کچھ کام نہیں ان کا کام اللہ کے حوالے پھر جو جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ ان کو سب بتائے گا۔"

یعنی جو لوگ دین میں رخنے ڈال کر مسلمانوں کو گروہ بندیوں میں تقسیم کرتے ہیں ان کا اللہ تعالی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ کٹ جاتا ہے۔ یعنی وہ دائرہ ملت سے خارج ہو جاتے ہیں۔

تفرقہ بازی سے پہلے امت مسلمہ کا ایک دور ایسا تھا کہ قیصر و کسریٰ بھی اس کے سامنے جھک جاتے تھے قرآن حکیم نے مسلمانوں کو امت وسط اور خیر امت کا لقب عطا فرمایا یعنی وہ عالمی امت جو سب سے بہتر شناخت کی حامل ہے جس کا مطلب ہے وہ امت جو ہر قسم کے رنگ و نسل و طنیت اور قومیت کے تصورات سے پاک و مبرہ ہیں، اور دنیا میں عدل و انصاف کا نظام قائم کرنے والی ہے اس کا فرض منصبی فرض سے لے کر بین الاقوامیت تک ہر سطح پر حق و انصاف کا قیام ہے خواہ زمانہ ساتھ دے یا ساتھ نہ دے، حالات موافق ہوں یا موافق نہ ہوں، مگر امت کا ہدف کسی بھی حالت میں تبدیل نہیں ہوتا یہ امت حلیف تو سب کی ہے مگر حریف کسی کی بھی نہیں، کیونکہ اس کا خمیر دعوت حق سے اٹھایا گیا ہے دعوت حق کے دامن میں تعصب کا ٹانکا لگ ہی نہیں سکتا۔ دیانت داری نصیحت خیر خواہی محبت و مودت اخوت و بھائی چارہ عدل و انصاف اور عالمی امن اس کے ملی فرائض میں شامل ہیں اگر یہ چیزیں نہ ہوتی تو ہمیں کبھی بھی امت مسلمہ کی شناخت نہ دیا جاتا اور نہ ہی مختلف براعظموں کی مختلف نسلیں، مختلف مذاہب جدا جدا زبانیں بولنے والے لوگ اور مختلف رنگ و نسل کے حامل اقوام امت کے دائرے میں آسکتے تھے، کسی زمانے میں امت وسطیٰ کا سایہ اتنا گھنا تھا کہ کئی براعظم اس کے سایہ میں سکون و سرور پاتے تھے۔ امت مسلمہ پر صبغت اللہ کا رنگ اتنا گہرا تھا کہ کالے اور گورے، عجمی اور عربی سب پر غالب آگیا تھا اس ضمن میں سیرت طیبہ کا یہ واقعہ ہمارے آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے:

عن أَبِي بُرَيْدَةَ قَالَ أَصْبَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِلَالًا فَقَالَ يَا بِلَالُ بِمَ سَبَقْتَنِي إِلَى الْجَنَّةِ انى دَخَلْتُ الْبَارِحَةَ الْجَنَّةَ فَسَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ أَمَامِي فَقَالَ بِلَالٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَذَّنْتُ قَطُّ إِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَمَا أَصَابَنِي حَدَثٌ قَطُّ إِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهذا هَذَا [14]

"بریدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن) صبح کی تو بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پوچھا: بلال! کیا وجہ ہے کہ تم جنت میں میرے آگے آگے رہے؟ آج رات میں جنت میں داخل ہوا تو (آج بھی) میں نے اپنے آگے تمہارے کھڑاؤں کی آواز سنی، بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے اذان دی ہو اور دو

---

12 Ar-Rūm, 30:32.
13 Al-An'ām, 6:159
14 At-Tirmidhī, Abū 'Īsā Muḥammad ibn 'Īsā, *Sunan at-Tirmidhī*, Bāb fī Manāqib 'Umar ibn Khaṭṭāb (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyya, n.d.), ḥadīth 3689.

رکعتیں نہ پڑھی ہوں اور نہ کبھی ایسا ہوا ہے کہ مجھے حدث لاحق ہوا ہو اور میں نے اسی وقت وضو نہ کر لیا اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'انہیں دونوں رکعتوں (یا خصلتوں) کی وجہ سے (یہ مرتبہ حاصل ہوا ہے۔"

اب اس حدیث سے بخوبی اندازہ لگایا جاتا ہے کہ کس طرح ایک حبشی النسل غیر عربی ذات کی اسلام میں وقعت اور اہمیت بزبان رسالت ﷺ بیان ہو رہی ہے ویسے بھی اسلامی تعلیمات میں یہ چیزیں عمومی تعارف کے علاوہ کوئی وقعت نہیں رکھتی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا یھا الناس انا خلقنکم من ذکرو انثی وجعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفو[15]

ترجمہ "اے لوگوں ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔"

غرض یہ کہ جب تک امت مسلمہ میں عرب و عجم کا تفاوت نہ تھا اور اپنے ملی و بین الاقوامی اوصاف کے حامل رہی اس وقت تک صورتحال یہ تھی مگر اب ہماری بدقسمتی کا یہ عالم ہے کہ دنیا کی دیگر اقوام اپنے اوپر بین الاقوامیت کا لیبل چڑھائے ہم پر حکومت کر رہی ہے اور ہم مسلمان قومی، علاقائی، نسلی اور مسلکی دائروں میں سمٹتے جا رہے ہیں، اس لئے تو اب نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ ہم نے اقوام کفر کے سامنے خود کو کلی طور پر سرنگوں کر دیا ہے، ان کے سایہ تلے جینے میں فخر محسوس کر رہے ہیں، یہ سب کیوں کر اور کیسے ہوا؟ بدیہی بات ہے کہ جب آفاقی پیغام دینے والی عالمی اسلام ریاست قائم کرنے والی اور کائناتی فکر رکھنے والی مسلم امت 72 فرقوں میں بٹ جائے تو اس کا لازمی مہلک اور افسوسناک نتیجہ یہی ہو سکتا ہے جو سب کے سامنے ہے۔ جس دین اسلام نے رنگ، نسل، وطن اور زبان کے بدترین اختلافات کو مٹا کر مسلمانوں کو بنیان منصوص بنانے کا درس دے کر اقوام عالم کو ان کا تابع بنانا تھا اس دین کا نام لیوا باہم دست و گریبان ہو گئے، مسلم و مؤمن کا خطاب پانے والی شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی، سلفی اور وہابی شناختوں میں تقسیم ہو گئے ملت واحدہ کے منصب پر فائض ہونے والے منتشر ہو کر راکھ کا ڈھیر بن گئے اور چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل میں الجھ کر اپنے لئے مختلف شناختیں قائم اس طرح قائم کئے کہ گویا کہ ان کا ملی وجود ہی باقی نہیں رہا، اب ان کی تمام تر مصائب کا محور رفع یدین، امین بالجہر، نور بشر، حاضر ناظر، گیارویں اور سماع موتیٰ جیسے چھوٹے مسائل پر لڑ کر اپنی جگ ہنسائی کا سامنا کرنے کے سوا کچھ نہیں رہا۔ تمام کلمہ گو حضرات سنی، شیعہ، مقلد، غیر مقلد، دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث سب مسلمانوں کا خدا ایک، رسول ایک، قرآن ایک، کعبہ ایک اور کلمہ پاک ایک ہے پھر بھی یہ سب لوگ ایک امت نہیں بن جاتے بلکہ سب گروہوں نے اپنی بنیاد اور نسبت کو بھول کر ایک دوسرے کو اسلام سے خارج کرنے کا شغل بن رکھا ہے۔ اگرچہ عالم کفر امت محمدیہ کو مسلمان کے طور پر دیکھتا ہے خواہ مسلمان ایران کے شیعہ ہو یا پاکستان کی سنی ہو، ہندوستان کے دیوبندی و بریلوی ہوں یا سعودی عرب کے حنبلی اور اہل حدیث ہوں، دنیا کے نقشہ اور اقوام متحدہ کے دفتر میں یہ سب ممالک مسلمان سمجھے جاتے ہیں مگر ہم نے اپنے اندر کفر و اسلام کا معرکہ برپا رکھا ہے، سوالیہ نشان یہ ہے کہ اگر ہم ایک دوسرے کے فتوؤں کے مطابق کافر اور گمراہ ہیں تو پھر وہ ملک اور خطہ کہاں پر ہے جہاں مسلمان امت بستی ہے؟

3۔ صوبائیت

پاکستان ایک گلدستہ ہے اور اور اس کی ایک مضبوط اور بنیادی شناخت ہے یعنی پہلی شناخت اسلام اور پھر پاکستان۔ لیکن ملک کی اس شناختی اکائی اور وحدت کو ملک کی نوجوانوں نے پس پشت ڈالا ہے اور نوجوانوں میں موجود ان رجحانات کی وجہ سے ملی و قومی وحدت و شناخت پارہ پارہ ہو رہی ہے۔

[15] Al-Ḥujurāt, 49:13

ملکی نظام کو ابتداء چار صوبوں میں صوبائی زبان، صوبائی قومیت یا جغرافیائی لحاظ کو مد نظر رکھ کر تقسیم کیا گیا تھا۔ جس کا فائدے کے بجائے نقصان اجتماعی طور پر ہمیں یہ ہوا کہ ہمارے ملک کو بغائر نظر اگر دیکھا جائے تو چار ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ اور ملک کے جغرافیائی لحاظ سے یہ چار صوبے در حقیقت چار حصے ہو گئے۔ پھر انہی صوبوں میں آئے دن پھر سے اور نئے صوبوں کی قیام کے لیے صوبائیت پسند شناخت کے دلدادہ تحریکیں آواز بلند کرتی رہتی ہیں۔ کہیں سندھ میں سندھ کا الگ قوم کا مطالبہ ہے، تو کہیں مہاجر صوبہ کے قیام پر زور دیا جاتا ہے، پنجاب میں کہیں صوبہ سرائیکستان کے لیے کوششیں ہو رہی ہیں تو کہیں جنوبی پنجاب کے نعرے لگ رہے ہیں، اسی طرح خیبر پختونخواہ میں ہزارہ صوبہ کے قیام کے لیے احتجاج کیا جاتا ہے۔ یعنی محسوس یوں ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی ملی و قومی شناخت اور وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا عزم کیا ہوا ہے۔ اور یہ سب نعرے اس لئے لگ رہے ہیں کہ ہمارا نوجوان اپنے آپ کو پاکستانی شناخت سے زیادہ ذیلی صوبائی شناخت کو زیادہ ترجیح دے رہا ہے۔ ورنہ ایک قومی شناخت کے ہوتے ہوئے ایک ذیلی قوم کی وجہ سے ایک الگ صوبے کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر طاہر القادری نے لکھا ہے:

آج حالات یہ ہیں کہ اِسلام کے نام پر حاصل کیے جانے والے اس ملک میں کہیں آزاد بلوچستان کے نعرے لگ رہے ہیں تو کہیں جیے سندھ کی بازگشت سنائی دیتی ہے؛ کہیں سرائیکستان، پختونستان کی بات ہوتی ہے اور کہیں قبیلے، ذات برادری کا ذکر ہوتا ہے۔ الغرض وطنِ عزیز میں لسانی، علاقائی اور مذہبی تعصبات اپنے عروج پر ہیں۔ قابلِ غور اَمر یہ ہے کہ وطنِ عزیز ان تمام تعصبات، فرقہ وارانہ تضادات اور کشمکش و اِختلاف کی موجودگی میں اِنتہا پسندی اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کو جیت نہیں سکتا۔ ضروری ہے کہ فرقہ وارانہ تعصبات، لسانی و علاقائی تفاخر اور تکفیریت پر مبنی نعروں کی سختی سے حوصلہ شکنی کی جائے اور فرقہ واریت پھیلانے والے جملہ عناصر کی سرکوبی کی جائے تاکہ معاشرے میں اتحاد و یگانگت کی فضا قائم ہو سکے۔[16]

پاکستان میں دو طرح کے سیاستدان اس صوبائیت پرستی کے ذمے دار ہیں۔ ایک وہ سیاستدان جو وفاقی سطح پر حکمرانی کرتے رہے ہیں اور دوسرے وہ جن کی سیاست کا دائرہ کار مخصوص علاقوں اور صوبوں تک محدود ہے۔ جو مرکز میں حکمران رہے، وہ اس لیے اس صوبہ پرستی کے ذمے دار ہیں کہ انہوں نے دور دراز کے علاقوں پر کوئی توجہ نہیں دی۔ انہیں سہولیات سے محروم رکھا، انہیں ان کی غربت میں ہی جینے کے لیے چھوڑ دیا، ان کی بہتری کے لیے کوئی اقدامات نہیں کیے، انہیں ہر طرح سے دبایا گیا۔ جس کی وجہ سے وہ ملک اور حکومت سے نفرت کرنے لگے اور اپنی محرومیوں، غربت اور تنگی سے چھٹکارا پانے کے لیے ملک دشمن عناصر کے ہاتھوں بک گئے اور علیحدگی کے نعرے لگانے لگے۔

دوسری طرح کے وہ سیاستدان ہیں جن کی سیاست کا دارومدار ہی ان علاقوں کے عوام کی مشکلات پر ہے جن علاقوں سے وہ تعلق رکھتے ہیں۔ وہ عوام کی تکالیف اور پریشانیوں کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی سیاست چمکاتے ہیں، انہیں مرکزی حکومت کے خلاف اکساتے ہیں، بلکہ دیگر صوبوں اور علاقوں کے خلاف بھی ان کے دلوں میں نفرت کے بیج بوتے ہیں اور ان علاقوں پر حکمرانی کرتے رہتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ کراچی اور جنوبی پنجاب صوبہ کے سلسلے میں ہو رہا ہے۔

کراچی اور جنوبی پنجاب کو اگر انتظامی ضروریات کے پیش نظر صوبہ بنایا جائے تو یہ الگ بات ہے، کیونکہ انتظامی بنیادوں پر صوبے بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں۔ یعنی اگر حکومت اور انتظامیہ یہ محسوس کرے کہ کوئی صوبہ آبادی یا رقبے کے لحاظ سے بہت بڑا ہے اور انتظامیہ کے لیے اس کی دیکھ بھال مشکل ہو رہی ہے تو پھر کسی بھی صوبے کی تقسیم اور نئے صوبے کی بنیاد رکھنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ ضرورت کے مطابق ایسا کرنا فائدہ مند ہوتا ہے۔ لیکن اگر لسانی شناخت یا قومی شناخت کی بنیادوں پر صوبے بنائے جائیں یا کسی صوبے کی تقسیم کی جائے کہ کسی خاص زبان جیسے اردو اور

[16] Qādrī, Ṭāhir-ul, *Qarārdād-e Amn* (Lahore: Farīd Millat Research Institute, 2016), 25.

سرائیکی زبانیں بولنے والے افراد لسانی بنیاد پر صوبوں کا مطالبہ کریں یا کوئی خاص قوم اپنے لیے نئے صوبے کا مطالبہ کرے تو یہ بات ملکی سالمیت کے لیے خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ پھر اس کا وہی نتیجہ نکلتا ہے جو 1971 میں بنگلہ دیش کی صورت میں ہم بھگت چکے ہیں کہ اس وقت بھی لسانی و صوبائی تعصب رفتہ رفتہ بڑھتا رہا اور ملک کو دو ٹکڑے کرنے کا باعث بنا۔ اس لئے قائد اعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"اب آپ ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنے لئے ایک خطہ زمین، ایک وسیع و عریض خطہ زمین حاصل کر لیا ہے۔ یہ تمام تر آپ کا ہے، کسی پنجابی، سندھی، پٹھان یا بنگالی کا نہیں۔ صوبہ پرستی ایک لعنت ہے۔ اسی طرح کی ایک لعنت ہے سنی شیعہ فرقہ پرستی۔"[17]

اگر موجودہ دور میں بھی لسانی و نسلی بنیادوں پر صوبے بنیں گے تو نتیجہ سانحہ مشرقی پاکستان سے زیادہ مختلف نہیں ہو گا۔ اس لیے سیاستدانوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں اور ماضی کے تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے عوام کو لسانی بنیادوں پر اکسا کر ملک کے دیگر صوبوں اور علاقوں کے خلاف بھڑکانے کے بجائے ملکی سالمیت کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے۔ اسی طرح مرکزی حکومتوں کو بھی چاہیے کہ وہ ملک کے دور دراز علاقوں کو احساس محرومی سے نکالنے کے لیے انہیں ملک کے دیگر علاقوں کی طرح سہولیات فراہم کی جائیں۔ ان علاقوں میں تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں تاکہ لوگوں میں شعور پیدا ہو اور وہ ملک سے نفرت کے بجائے محبت کرنے لگیں۔ انہیں اپنے پرائے کی پہچان ہو۔ وہاں صنعتیں بھی قائم کی جائیں تاکہ لوگوں کو روزگار ملے اور ان کا معیار زندگی بہتر ہو۔ یوں صوبائیت پرستی کا خاتمہ ممکن ہو گا اور ملک دشمن عناصر کو بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قائد اعظم نے فرمایا:

> "میں آپ سے اسی صوبہ پرستی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی استدعا کرتا رہتا ہوں کیونکہ جب تک آپ پاکستان کی سیاست میں اس زہر کو گردش کرنے دیں، اس وقت تک آپ ایک طاقتور قوم نہیں بنیں گے اور وہ کچھ حاصل نہیں کر سکیں گے جو میرے خیال میں ہم حاصل کر سکتے ہیں۔"[18]

4۔ لسانیت

ہم نے اپنی قومی زبان سے زیادہ علاقائی زبان سے رشتہ مضبوط کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ملکی اور قومی سطح پر اپنی شناخت بنانے کی بجائے صرف علاقائی شناخت کی سطح تک محدود ہو کر رہ گئے۔ حالانکہ پاکستان کی اساس دو قومی نظریہ ہے اور دو قومی نظریہ کی بنیاد لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ ایک طرف ملک کی سرکاری اور شناختی زبان "اردو" ہیں جو عالمی سطح پر ایک اسلامی ملک پاکستان کی شناخت ہے دوسری طرف زبان ہی انسان کی سماجی و عمرانی شناخت ہوتی ہے اور ہر سطح پر اپنی قومی و ملکی نمائندگی کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ لیکن قومی سطح پر ہم نے زباں کو اپنی منفی شناخت کا شکار بنا کر ایک محدود دائرے میں لا کھڑا کیا ہے۔ ملک میں سرکاری زبان کے علاوہ ہر صوبے میں اپنی اپنی زبانوں کا رائج ہونا لسانی عصبیت اور منفی شناخت کے فروغ کا سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صوبوں کے لوگ قومی زبان سے زیادہ اپنی اپنی علاقائی زبانوں کو نہ صرف اہمیت دیتے ہیں بلکہ اس پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور کہیں کہیں یہی علاقائی زبانیں انسان کے لیے دشمنی، نقصان اور کمزوری کا باعث بھی ہیں۔ آئین ٹالبوٹ لکھتے ہیں:

> "اردو نے پاکستانی قومی تشخص و شناخت کی ترویج کے لیے اس قدر اہم کردار ادا نہیں کیا جتنا کہ بنگالی، سندھی، پشتو یا بلوچی اور سرائیکی نے نسلی تشخص کو ابھارنے میں کردار ادا کیا ہے۔"[19]

---

[17] Jinnah, Muhammad Ali, "Khitāb Jalsa-e ʻĀm Ḍhāka, 21 March 1948," in *Speeches and Statements* (London: Oxford University Press, 1947), 171.
[18] Ibid.

1947ء میں جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو اُس کی اساس میں تمام قومیتیں، مذاہب، مسالک، طبقات کے لوگوں کا خون شامل تھا۔ یہ ملک کسی ایک مسلک، فرقہ یا گروہ کے معتقدین یا راہنمایان کی کوششوں، کاوشوں، قربانیوں سے معرضِ وجود میں نہیں آیا بلکہ برصغیر میں موجود مسلمانوں اور دیگر مذاہب کی پیروکار اقلیتوں (جو وہاں ہندوانہ سوچ و فکر کی خرابیوں اور ظلم و ستم سے تنگ آچکی تھی) نے مشترکہ قربانیاں دے کر حاصل کیا ہے۔

آج ہمارے مسائل کی بنیادی جڑ یہ ہے کہ ہم نے ان سب قربانیوں کو بھلا کے ایک محدود دائرہ کار تک آگئے ہیں اور لسانی شناخت تک اپنے آپ کو محدود کر لیا ہمارا معاشرہ، نسل پرستی، علاقائی، لسانی اور فرقہ وارانہ تعصبات کا شکار ہو کر باہم دست و گریباں ہے۔ علاقائی و لسانی تقسیم اور دشمن کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے ہم اپنا ایک بازو گنوا چکے ہیں، اس کے باوجود ہماری سیاسی و مذہبی قیادت اپنے مذموم مقاصد کی خاطر قوم کو مختلف طبقات میں تقسیم در تقسیم کیے جا رہی ہے۔ یوری کنگوفسکی اس حوالے سے لکھتے ہے:

> "پاکستان کے قیام کے بعد پاکستان کی بنیادی نسلیاتی فرقوں پنجابی، پشتون، سندھی اور بلوچی کا مزید استحکام ہوا ہے۔ معیشت اور ثقافت کے فروغ، شہروں کے بڑھنے اور آبادی کی نقل مکانی نے ان بنیادی نسلیاتی فرقوں کے انفرادی ترکیبی اجزاء کے علاقائی اور قبائلی امتیازات کو ایک حد تک ماند کر دیا ہے۔ یہ خاص نسلیاتی قومیتیں ان چھوٹے چھوٹے نسلیاتی گروہوں کو اپنے اندر جذب کر رہی ہیں جو پہلے اپنے آپ کو الگ سمجھتے تھے۔ اس عمل کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ بیک وقت دو زبانوں کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ ان لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو روزمرہ کی زندگی میں پاکستان کی مقامی آبادی کے بڑے نسلیاتی گروہوں کی زبانیں بولتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں چھوٹے چھوٹے نسلیاتی گروہوں کی ان زبانوں کا دائرہ محدود ہو رہا ہے جن کا رسم الخط نہیں ہے۔ ان کے بولنے والوں کی تعداد بھی کم ہو رہی ہے۔"[20]

پاکستان میں لسانیت کا بیج اس وقت سے ہی بو دیا گیا تھا جب پاکستان معرض وجود میں آیا۔ سب سے پہلے لسانی بنیادوں پر بنگالی سیاستدانوں نے آئین 1956 جو پہلے ہی دیگر بہت سی وجوہات کی بنا پر تاخیر کا شکار تھا، کی راہ میں رکاوٹ ڈالی اور اردو زبان کو مشترکہ قومی زبان تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ اردو زبان بنگال سمیت ملک کے تمام صوبوں میں سمجھی جاتی تھی لیکن بنگالی زبان بنگال کے علاوہ کہیں بھی بولی اور سمجھی نہیں جاتی تھی، لہٰذا قومی زبان کے لیے اردو سے زیادہ مناسب کوئی زبان نہ تھی۔ لیکن بنگالی سیاستدانوں نے صوبائی تعصب کی وجہ سے تنہا اردو کو قومی زبان تسلیم نہ کیا۔ لہٰذا مجبوراً اردو کے ساتھ بنگالی کو بھی قومی زبان کا درجہ دینا پڑا۔ اس کے باوجود ان کے دلوں سے صوبہ پرستی نہ نکلی اور اپنے صوبے کے لیے نت نئے مطالبات کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ ان کے مطالبات بڑھتے گئے اور ایک دن ان کے یہی مطالبات پاکستان کو دولخت کرنے کا باعث بنے۔ تاہم ہم کو اپنی غلطیوں سے سیکھنا ہو گا اور چونکہ زبان کسی بھی قوم کی پہچان کا ذریعہ ہے ہمیں اپنی اس پہچان کو برقرار رکھنے کے لیے اردو زبان کو قومی سطح پر فروغ دینا ہو گا اور اسی دیگر قومی و غیر ملکی زبانوں کے اثرات سے محفوظ بنانا ہو گا۔

5۔ سیاسی گروہ بندیاں

منفی شناختوں کی تشکیل میں سیاسی گروہ بندیوں کا کردار بھی بہت زیادہ ہے۔ جو ملک میں منفی شناختوں کی ترویج کے ساتھ ساتھ ملکی استحکام کے لئے بہت نقصان دہ ہے۔ یہ وہی عمل ہے جو سیاست دان اپنے اور اپنی نسل کی بقاء و نمود کی خاطر ملک میں کر رہے ہیں۔ وطن عزیز کی بقاء سے زیادہ انہیں اپنی نسل کی بقاء کی فکر ہے۔

---

[19] Talbot, Ian, *Tārīkh-e Pākistān (1947–1957)*, trans. Ṭāhira Fārooqī (Rawalpindi: Maḥmūd Brothers Printer, 2008), 53.

[20] Ganko, Yuri, *Pākistān kī Qaumiyyāt*, trans. Mirzā Ishfāq Baig (Karachi: Maktaba Dāniyāl, 2008), 15.

منفی شناختوں کے باعث سیاسی عدم استحکام پر بات کرتے ہوئے طارق وحید بٹ لکھتے ہیں:

"پاکستان میں سیاسی عدم استحکام کی ایک اور بڑی وجہ بے شمار سیاسی جماعتوں کا قیام اور علاقائی، نسلی اور لسانی بنیادوں پر قائم جماعتوں کا وجود ہے جس نے ساری قوم کو منتشر کر کے رکھ دیا ہے۔ پاکستان میں اس وقت کم و بیش 78 سیاسی جماعتیں موجود ہیں جبکہ علاقائی، نسلی اور مذہبی بنیادوں پر قائم جماعتیں ان کے علاوہ ہیں۔ ہارس ٹریڈنگ، سیاسی بلیک میلنگ اور وفاداری تبدیل کرنے کی پالیسی کے علاوہ سیاست میں تجارت کا رجحان ان ہی بے شمار سیاسی جماعتوں کے بے جا قیام کا مرہون منت ہے۔"[21]

ملک کی موجود سیاسی صورتحال کے تناظر میں اگر ہم سیاسی جماعتوں کا جائزہ لیں تو اس وقت ملک بھر میں 345 سیاسی جماعتیں رجسٹرڈ ہیں۔ جن میں 183 جماعتوں کو انتخابی نشانات الاٹ ہوئے ہیں تاہم قواعد و ضوابط پر پورا اترنے والی جماعتوں کی تعداد صرف 50 ہے جو انتخابات لڑنے کے اہل ہیں۔ انتخابی نشانات رکھنے والی جماعتوں میں 120 کے قریب سیاسی پارٹیاں 2004 سے 2017 تک انٹرا پارٹی الیکشن کرانے میں ناکام رہی ہیں۔[22]

ارشد محمود لکھتے ہیں:

"پاکستان کے تناظر میں یہ سب سے اہم نکتہ ہے۔ ہمارے ملک کی سماجی اور ثقافتی پسماندگی میں مروجہ سیاسی نظام کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ہم ایک ایسی تاریخی بدقسمت صورتحال میں پھنس چکے ہیں جس سے ہمیں نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ اس ملک پر قابض ایلیٹ کلاس محض اپنی ذاتی اور گروہی مفادات کی خاطر اس ملک کو ترقی کی طرف لے جانے والے فکری نظام سے دور رکھے ہوئے ہیں، اور اس کے مفادات کا براہ راست تقاضہ بن چکا ہے۔ عوام بیچارے جاہل غریب اور کمزور ہیں۔ وہ اس طاقت ور ایلیٹ کلاس کے چالوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں، مقابلہ کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ نیم خواندہ نچلا درمیانہ طبقہ گھٹن اور دباؤ کی وجہ سے راہ نجات کے لیے مزید مذہبی طور پر شدت پسند ہوتا جارہا ہے، جس سے نہ صرف ترقی کے امکانات اور کم ہوتے جارہے ہیں بلکہ خطرہ بڑھتا جارہا ہے کہ رہا سہا سول اور تہذیبی ڈھانچہ مذہبی جنونیوں کے ہاتھ لگ کر ہم پتھر کے زمانے میں نہ چلے جائیں۔"[23]

پاکستان جو کہ اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا ایک طرف تو نسلی اور جغرافیائی امتیازات اور تعصبات میں گرفتار ہے تو دوسری طرف سندھی، بلوچی، پنجابی، پٹھان اور مہاجر کہلانے والوں میں جذبہ اخوت اور مروت مفقود نظر آتا ہے۔ سیاسی اغراض کی خاطر صوبہ پرستی کے جذبات کو ابھارا جارہا ہے اور قومی وحدت کو ذاتی وقار کے لیے داؤ پر لگانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ مذہبی منفی شناختوں کے علاوہ ملک میں سیاسی شناختوں کی منفی اثرات ملک اور قوم کے استحکام کو مزید نقصان پہنچا رہی ہے۔ مولانا محمد طیب لکھتے ہیں:

"فرقہ واریتوں میں سب سے زیادہ تباہ کن اور مہلک فرقہ واریت سیاسی فرقہ واریت ہے جس میں اقتدار کے لحاظ سے پارٹیاں اور فرقے بنتے ہیں اور اپنی کرسی اور اقتدار کے لیے سادہ لوح عوام کو شکار کر کے اپنے حریفوں سے ٹکر لیتے ہیں۔ بظاہر یہ ٹکر نہایت پرامن باآئین اور معصوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کی تہ میں سب سے زیادہ بدامنی بے اطمینانی اور تباکن کشمکش پنہاں ہوتی ہے۔ اور دنیا میں جنگ کے نام پر اتنی تباہی نہیں آتی جتنی اس امن کے نام سے آتی ہے۔ ہوس اقتدار میں پارٹیاں بنتی اور بگڑتی ہیں اور وہی لوگ جو دین کے نام پر جماعت بننے سے گھبراتے ہیں اس دنیا کے نام پر وہ ساری تباہیاں لاتے ہیں جو دین کے نام پر عشر عشیر بھی نہیں آسکتیں، ہر پارٹی عوام کے جذبات اور رجحانات دھوکہ اور فریب سے اپنی

[21] Buṭṭ, Ṭāriq Waḥīd, *New World Order: Islām aur Pākistān* (Karachi: ‘Ilmī Graphics, 2009), 149.
[22] http://www.samaa.tv/urdu/pakistan.2017/08.8686871
[23] Maḥmūd, Arshad, *Saqāfatī Ghaṭan aur Pākistānī Mu‘āshara* (Karachi: ‘Ilmī Graphics, 2009), 9.

طرف کھینچتی ہے اور انجام کار عوام کو دو گروہ بنا کر ان کے جذباتی ٹکراؤ کا تماشہ دیکھتی ہے اور ان کا خون دیکھ کر اپنی کامیابی پر مسرور اور شاداں ہوتی ہے۔"[24]

جب تک مذہبی اور سیاسی فرقہ اور تفرقہ بازیوں اور صوبائی تعصبات اور نسلی جذبات کو ختم نہیں کیا جاتا۔ وحدت ملت کی اساس پر اسلامی نظام کی قیام کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ ملت اسلامیہ انسانوں کے اس گروہ سے متشکل ہوتی ہے جس کا قانون و آئین ایک ہو، مطمع نظر اور مقصد حیات ایک ہو، معیار حق و باطل اور جائز و ناجائز حلال و حرام ایک ہو، جس کی اطاعت اور وفاکشی کا مرجع خدائے وحدہ لاشریک کی ذات بے ہمتا ہو، جس کی تمام اطاعت گزاریاں اور وفاداریاں اسی کے لیے مخصوص ہوں اور جو قران حکیم میں پیش کردہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ عمرانی اور سیرت طیبہ کو مشعل راہ بنا کر آزمائشوں اور قربانیوں کا متقاضی سفر زندگی مجاہدانہ استقامت اور شجاعت سے طے کرے۔ اس کے لیے مسلم قوم کے تمام افراد کا یک رنگ و یک جان ہونا از بس ضروری ہے۔ مولانا محمد طیب لکھتے ہیں:۔

"اسلام دنیا میں کشید گیاں یا دھڑے بندیاں کرنے کے لیے نہیں آیا بلکہ وہ ان تفرقوں کو مٹانے کے لیے آیا ہے۔ اور نہ صرف اخلاقی ہی طور پر بلکہ اصولا اور قانونا بھی۔ یعنی وہ اپنی اصولی اور قانونی حیثیت میں بھی اختلاف اور جتھے بندیوں کا سرچشمہ نہیں، بلکہ اتحاد ذات البین اور اس سے آگے بڑھ کر بین الاقوامی اتحاد کا پیغام لے کر آیا ہے۔"[25]

6۔ نظریہ پاکستان سے انحراف

منفی شناخت کے رجحان میں اضافے کے عوامل میں نظریہ پاکستان سے انحراف بھی قابل ذکر ہے۔ قیام پاکستان کے بعد دو قومی نظریہ میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی گئی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش ہوتی رہی ہے کہ یہ سارا مسئلہ معاشی اور قدرے سیاسی تھا، معاشرتی و تہذیبی نہ تھا۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستانی معاشرے کی بنیادوں میں جو دراڑ پڑی اس کا ذکر کرتے ہوئے قائد اعظم کے سیکرٹری خورشید حسن خورشید بنیادی وجہ کو زیر بحث لاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تحریک پاکستان کے بنیادی اصولوں سے انحراف جیسے سنگین اقدامات نے پاکستان کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا، تحریک پاکستان کی بنیادی نظریات قائد اعظم کی حکمت عملی پر مشتمل تھے۔ قائد اعظم کی وفات کے بعد پاکستان میں تحریک پاکستان کے اصولوں سے انحراف کا عمل شروع ہو گیا ازاد کشمیر پر بھی اس کی زد پڑی۔ اچھے اچھے زعماء جی دار اور با اصول رہنما بھی پاکستان کے اندر اس رجحان کو یا تو بھانپ نہ سکے یا پھر خود عرضی کا شکار ہو کر انہوں نے بھی اس روش کو اپنانے میں ہی خیریت سمجھی۔ اس اشراف کا جو شدید نقصان تحریک آزادی کشمیر کو ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ ایک اور بڑا تاریخی ظلم اور نظریہ پاکستان سے اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس ملک کے عوام کو کسی قابل ہی نہیں سمجھا گیا۔"[26]

اکثر سفیروں نے اپنے قول و فعل سے ثابت کرنا شروع کر دیا کہ پاکستان ہر گز مذہب کی بنیاد پر قائم نہیں ہوا۔ یہ صورتحال پاکستان کے حق میں انتہائی مضر تھی کیونکہ دیگر ممالک پر ہم قیام پاکستان کا مقصد ہی ثابت نہ کر سکے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ ان لوگوں کو سفیر بنا کر ملک سے باہر بھیجا جاتا جو نظریہ پاکستان سے بخوبی آگاہ ہوتے اور علمی سطح پر مخالفین کے اعتراضات کا جواب دے سکتے اور حالات کا تجزیہ کر کے ثابت کرتے کہ پاکستان مذہب کی بنیادوں پر قائم ہونے کے باوجود دوسرے مذاہب کی اقلیتوں سے کس قدر بہتر سلوک کرتا ہے۔ اکثر سفیروں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ پاکستان نظریاتی ریاست نہیں بلکہ ماڈرن سٹیٹ ہے۔ اس طرح پاکستان کے مقصد کو نقصان پہنچا اور کمزور وکالت کے سبب ہم بین

[24] Muḥammad, Ṭayyib, *Islām aur Firqa Wāriyat* (Uttar Pradesh: Idāra Tāj al-Ma'ārif, 1956), 45–46
[25] Ibid 6-7
[26] Asad, Muḥammad Sa'īd, *Kashmīr, Quaid-e-A'ẓam aur K.H. Khurshīd* (Lahore: Jang Publishers, 1992), 101.

الاقوامی سطح پر اپنے نظریے کو تسلیم نہ کروا سکے۔ پاکستان کا حصول ہماری منزل نہیں تھا، ہمیں صرف مٹی ملی تھی اس مٹی کو بہتر بنانا، اس کی زرخیزی کے لیے کوشش کرنا، اس میں بیج ڈالنا اور فصل پیدا کرنا ہمارا کام تھا۔ مسلم لیگ نے اس موضوع پر مطلقاً توجہ نہ دی۔[27]

بہر حال قیام پاکستان کے فوراً بعد عوام الناس کی بڑی اکثریت نے دیانتداری اختیار کر کے قرن اول کے مسلمانوں کے کردار کی کچھ جھلک دکھا دی تھی کیونکہ اس وقت ان کے سامنے اسلامی نظریاتی مملکت کا اعلیٰ مقصد موجود تھا، لیکن یہ جذبہ بحیثیت مجموعی اعلیٰ افسران کے دلوں کو نہ گرما سکا، وہ بدستور عوام سے الگ تھلگ رہے اور نئے مواقع سے ناجائز فائدہ اٹھاتے رہے۔ اکثر سیاسی لیڈر بھی دیانتداری کے اس اعلیٰ معیار تک پہنچنے سے قاصر رہے۔ شاید ان کی اکثریت اسلامی نظریاتی ریاست پر دل سے ایمان ہی نہیں رکھتی تھی اور "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ" کا نعرہ صرف سیاسی بیانات اور سیاسی نعروں تک محدود رکھنے پر یقین رکھتے تھے۔

7۔ مخلص قیادت کا فقدان

اسلامی شناخت کے برعکس منفی شناخت کے عوامل میں مخلص قیادت کا فقدان بھی شامل ہے، یہ بات تو عیاں ہیں کہ قائد اعظم کی وفات کے بعد بدقسمتی سے پاکستان اپنی منزل کا پتہ بھول گیا اور اقتدار ایسے عناصر کے ہاتھ میں آ گیا جنہوں نے خلوص دل سے اس راستے کا انتخاب نہ کیا اور جس پر چلنے کے لیے قائد اعظم نے فلاحی مملکت کا نقشہ پیش کیا تھا اور جو پاکستان کی منزل مانا جاتا تھا۔ قائد اعظم کی بے وقت وفات سے پاکستان کی ابتدائی سیاست و نظریے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ جس کا خمیازہ آج تک پاکستان کے عوام بھگت رہے ہیں۔ قائد اعظم کو اگر موقع ملتا تو قوم کو ایک پائیدار آئین دیتے اور پاکستان کے قبلہ کے سمت درست کر دیتے اور پاکستان نظریاتی، سیاسی اور آئینی بحران کا شکار نہ ہوتا۔ قائد اعظم مسلم لیگ کے واحد کرشماتی لیڈر تھے۔ ان کی وفات کے بعد ملک کے اندر مخلص قیادت کا ایسا خلا پیدا ہوا جو آج تک پر نہیں کیا جا سکا۔ اس ساری صورتحال کا فائدہ خود غرض سیاستدانوں نے اٹھایا۔ جس سے پاکستان کے نظریاتی تشخص اور شناخت کو بہت نقصان پہنچا۔

اور اس کے ساتھ ساتھ پاکستان جاگیرداروں کے لئے اماجگاہ بن گئی جنکو کو اسلامی تشخص وشناخت سے کیا سروکار تھا، جاگیردار، جن سے قائد اعظم خائف رہتے تھے وہ خدشہ حقیقت میں بدلنے لگا۔ قائد اعظم کو بھی جاگیرداروں کے حوالے سے مکمل ادراک تھا۔ انہوں نے 1933ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے تیسری سالانہ اجلاس دہلی سے تاریخی خطاب کرتے ہوئے کہا:

> *Here I should like to give a warning to the landlords and capitalists who have flourished at our expense by a system which is so vicious. which is so wicked and which makes them so selfish that it is difficult to reason with them. The exploitation of the masses has gone to their blood. They have forgotton the lesson of Islam. Greed and selfishness have nade those people subordinate to the interest of other's in order to fatten themselves ....There are millions and millions of our people who hardly get one meal aday. Is this civilization? Is this the aim of Pakistan?* [28]

مہدی حسن نے بھی اس حوالے سے لکھا ہے:

> "لیکن وہی ہوا جس کا ڈر تھا جاگیردار طبقے نے دیمک کی طرح پاکستانی معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستان اپنی تاریخ کے ابتدائی سالوں میں جن المناک حالات سے دوچار رہا اس کی بڑی وجہ اور سب سے اہم وجہ ملک میں سیاسی جماعتوں کی تنظیم کا فقدان اور قومی سطح کی سیاسی جماعتوں کی عدم موجودگی

[27] Ibid., 204
[28] Jinnah, Muhammad Ali, *Speeches and Statements* (London: Oxford University Press, 1947), 171.

تھی۔ ان حالات میں پڑھے لکھے اور اہل ثروت افراد کا ایک چھوٹا سا طبقہ ملکی سیاست اور معیشت پر قابض ہو گیا۔ ملک کی سیاسی جماعتیں بھی انہیں افراد پر مشتمل تھیں۔ عوام میں سیاسی شعور پیدا کرنا کیونکہ خود اس طبقے کے مفاد کے خلاف تھا اس لیے نہ صرف یہ کہ انہوں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ جان بوجھ کر عام آدمی کو ملکی سیاست سے دور رکھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیاست بھی صرف جاگیرداروں اور زمینداروں کے محلوں تک محدود ہو کر رہ گئی۔ یہ سیاستدان عوام کی قوت پر بھروسہ کرنے کی بجائے سیاسی جوڑ توڑ، سازشوں اور نوکر شاہی کی مدد پر زیادہ بھروسہ کرتے تھے۔ اس وجہ سے سول سروسز کو تخلیق پاکستان کے بعد بھی ملک میں وہی اہمیت حاصل رہی جو آزادی سے قبل انگریز کے نو آبادیاتی حکومت میں تھی۔[29]

اس میں مطلق شک نہیں کہ ہمارا معاشرہ بنیادی طور پر دیہی جاگیر دارانہ معاشرہ ہے۔ یہاں کی زمین کا غالب حصہ غیر ملکی حکمرانوں کی خدمت اور قوم فروشی کے صلہ میں ان جاگیرداروں کو ملا ہے یہ بجائے خود بڑا جرم ہے۔ زندہ اور بیدار قوموں کا وطیرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حصول آزادی کے بعد آزادی کے متوالوں کی سرپرستی کرتی اور آزادی کے لئے بنے ہوئے اسباب و نظریات کی مکمل حفاظت کرتی ہیں۔

خلاصہ بحث

منفی شناخت کا رجحان پاکستانی معاشرے میں فکری، سماجی اور دینی سطح پر تقسیم کا سبب بن رہا ہے۔ یہ تحقیق اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ مذہبی تنگ نظری، لسانی تعصبات، صوبائیت اور گروہی مفادات نے اسلامی شناخت کو پس پشت ڈال کر منفی شناختوں کو فروغ دیا ہے۔ اسلام افراد کو رنگ، نسل اور زبان سے بالاتر ہو کر ایک امت کے طور پر دیکھنے کی دعوت دیتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوان نسل کو دینی تعلیمات سے روشناس کروا کر ان کی فکری تربیت کی جائے، تاکہ وہ فرقہ واریت یا نسلی تعصب کی بجائے ایک متحدہ اسلامی شناخت کو اپنا سکیں۔ تعلیم، شعور اور میڈیا کے ذریعے مثبت شناخت کی طرف واپسی کو ممکن بنایا جا سکتا ہے، تاکہ پاکستانی معاشرہ ایک پُرامن، منظم اور اسلامی اصولوں پر قائم معاشرہ بن سکے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Bibliography / کتابیات

* Erikson, Erik H., *Identity: Youth and Crisis* (New York: W.W. Norton & Company, 1968).
* Lovgren, Wendy, *A Life of Erik H. Erikson* (New York: W.W. Norton & Company, 1993),
* Marcia, James E., *Development and Validation of Ego-Identity Status*, *Journal of Personality and Social Psychology* (Washington, DC: American Psychological Association, 1966)
* Krueger, Robert F., and Krakower, Steven, *Identity and Negative Identity in Adolescents*, *Psychoanalytic Review* (New York: Guilford Press, 1995)
* Al-Bukhārī, Abū ʻAbd Allāh Muḥammad ibn Ismāʻīl, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, n.d.)
* Ibn al-Qayyim al-Jawziyya, Shams al-Dīn Muḥammad, *Madārij as-Sālikīn* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, n.d.)
* Abū Dāwūd, Sulaymān ibn al-Ashʻath, *Sunan Abū Dāwūd*,(Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, n.d.).
* Jālibī, Jamīl, *Pākistānī Kalchar* (Rawalpindi: Maḥmūd Brothers Printer, 2008),
* At-Tirmidhī, Abū ʻĪsā Muḥammad ibn ʻĪsā, *Sunan at-Tirmidhī*, (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, n.d.),
* Qādrī, Ṭāhir-ul, *Qarārdād-e Amn* (Lahore: Farīd Millat Research Institute, 2016),
* Jinnah, Muhammad Ali, "Khitāb Jalsa-e ʻĀm Ḍhāka, 21 March 1948," in *Speeches and Statements* (London: Oxford University Press, 1947)
* Talbot, Ian, *Tārīkh-e Pākistān (1947–1957)*, trans. Ṭāhira Fārooqī (Rawalpindi: Maḥmūd Brothers Printer, 2008),
* Ganko, Yuri, *Pākistān kī Qaumiyyāt*, trans. Mirzā Ishfāq Baig (Karachi: Maktaba Dāniyāl, 2008).
* Buṭṭ, Ṭāriq Waḥīd, *New World Order: Islām aur Pākistān* (Karachi: ʻIlmī Graphics, 2009).

[29] Ḥasan, Mahdī, *Pākistān kī Siyāsī Jamāʻat* (Lahore: Classic Publishers, 1976), 294

* Maḥmūd, Arshad, *Saqāfatī Ghaṭan aur Pākistānī Mu'āshara* (Karachi: 'Ilmī Graphics, 2009).
* Muḥammad, Ṭayyib, *Islām aur Firqa Wāriyat* (Uttar Pradesh: Idāra Tāj al-Ma'ārif, 1956).
* Asad, Muḥammad Sa'īd, *Kashmīr, Quaid-e-A'ẓam aur K.H. Khurshīd* (Lahore: Jang Publishers, 1992).
* Jinnah, Muhammad Ali, *Speeches and Statements* (London: Oxford University Press, 1947).
* Ḥasan, Mahdī, *Pākistān kī Siyāsī Jamā'at* (Lahore: Classic Publishers, 1976).